تحقیق کی روایت

تحقیق کا فن جان لینے کے بعد آیئے دیکھتے ہیں کہ اردو میں تحقیق کی روایت کیا رہی ہے اور کن محققین نے تحقیق کے فن کو جلا بخشی ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اردو ادب کی روایت بہت قدیم نہیں ہے۔ اور اس میں بھی تنقید و تحقیق کا مرحلہ بہت بعد میں آیا۔ یہ حقیقت ہے کہ فورٹ ولیم کالج سے قبل اردو میں تحقیق کی صورت حال برائے نام رہی ہے۔ فورٹ ولیم کالج کا قیام ۱۸۰۰ میں عمل میں آیا تھا اور اس کا مقصد انگریز افسروں کو اردو زبان سے واقف کرانا تھا تاکہ وہ یہاں کے عوام سے براہ راست رابطہ کر سکیں۔ اس کالج کے زیر اہتمام اردو زبان میں ترجمے کا کام بھی کیا گیا۔ اور قصے کہانیاں لکھی گئیں آسان زبان میں۔ اسی کالج کے مرہون منت اردو تحقیق کی باضابطہ بنیاد پڑی۔

یہ ضرور ہے کہ اردو تذکروں میں تحقیق و تنقید کے نمونے ملتے ہیں لیکن یہ ایسی کاوش نہیں تھی جسے قابل ذکر قرار دیا جاسکے۔ تذکروں کے بارے میں عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ سبحان اللہ اور الحمدللہ اور واہ واہ تک تنقید محدود تھی۔ ایسے میں تحقیق کی بات کرنا عبث ہی کہا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اردو تذکروں کے ذریعہ ہی تحقیق کی بنیاد پڑی۔ اس سلسلے میں معروف محقق پروفیسر حنیف نقوی کی یہ رائے معتبر معلوم ہوتی ہے کہ:

> تذکرے تاریخ ادب کا ایک جز بھی ہیں اور اس کی بنیاد بھی۔ انہوں نے بلا استثنا تمام مورخینِ ادب کے لیے تحقیق و تلاش کی ظلمتوں میں چراغ راہ کا کام دیا ہے۔ ان کے متفق علیہ بیانات سے حقائق کے عرفان اور واقعات کی تعبیر میں مدد ملتی ہے اور اختلافی بحث نے اربابِ نظر ذوق و تجسس کو بیدار کر کے تحقیقی شعور کی پرورش اور نشوونما کے مواقع فراہم کئے ہیں۔

تحقیق کے سلسلے میں تذکروں کی اسی موہوم کوشش سے بہر حال تحقیق کا چراغ روشن ہوا اور بعد کے ادبا کی کاوش سے تحقیق کا دروازہ کھلا اور ایک شعبۂ ادب قائم کیا، تحقیق کو سمت و رفتار ملی اور اس نے باضابطہ ایک فن کی صورت اختیار کر لی۔

بہر کیف تذکروں کی بات کریں تو میر تقی میر کا تذکرہ نکات الشعرا، سید فتح علی گردیزی کا ریختہ گویاں، حمید اورنگ آبادی کا گلشن گفتار، قائم چاند پوری کا مخزن نکات اور عنایت اللہ فتوت کا ریاض حسنی قابل ذکر تذکرے ہیں۔ یہ تذکرہ نویس شاعر تھے اور ان تذکروں کے ترتیب دینے کا ان کا مقصد تحقیق کی خاک چھاننا نہیں تھا۔ لیکن انسان کے شعور میں تنقید کا جوہر فطری طور پر موجود ہوتا ہے۔ اور یہ حقیقت مسلم ہے کہ ہر شاعر تنقیدی شعور بھی رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تذکرہ نگاروں نے جب شعرا کے کلام پر اپنی رائے دی تو اس میں تنقید کا رجحان پیدا ہوا۔ تذکرہ نگاروں نے شعرا سے متعلق تفصیلات جمع کرنے کے لئے قدرے تحقیق سے بھی کام لیا۔ یہی چیز تحقیق کا خمیر تیار کرنے میں معاون ثابت ہوئی۔

غالب اردو کے ایک عظیم شاعر ہیں۔ ان کا تنقیدی شعور بلا کا تھا۔ اس کا اندازہ ان کی نثروں کتابوں، خطوط اور تقریظوں اور دیباچوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ حالانکہ غالب کو محقق تسلیم نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کے یہاں تحقیق کے نمونے پائے جاتے ہیں۔

فورٹ ولیم کالج کے بعد دہلی کالج کا قیام بھی عمل میں آیا جس سے اردو ادب کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ مزید دراز ہوا۔ دہلی ورنا کولر ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم ہوا۔ ایک تحقیق کے مطابق ۱۸۴۲ تک اس ادارے کے ذریعہ مغربی علوم و فنون کے ترجمے اور لغات اور قواعد کی تدوین سے متعلق ۱۱۷ کتابوں کی تالیف ہو چکی تھی۔ اس کام میں یورپی مستشرقین نے اہم فریضہ انجام دیا جس سے تحقیقی مطالعے کی راہ ہموار ہوئی۔ اس سلسلے میں فرانسیسی محقق گارساں دتاسی کا نام خصوصیت سے لیا جا سکتا ہے۔ گارساں نے ۱815 میں قدیم اردو پر تحقیق کا عمل شروع

کیا اور تقریباً پچاس سال تک خامہ فرسائی کی۔گارساں اور اس جیسے دوسرے محققین کی کاشوں سے ہی اردو میں باضابطہ تحقیق کی بنیاد پڑی۔ اسی بنیاد پر گارساں دتاسی کا اہمیت اردو ادب میں مسلم ہے، حالانکہ گارساں نے یہ کام فرانسیسی زبان میں کیا تھا لیکن اس کی تحقیق کا اردو میں ترجمہ ہوا۔

اس درمیان ۱۸۵۷ کا غدر ہوا جس کے بعد ملک میں سیاسی اور سماجی ابتری کے ساتھ ادب بھی متاثر ہوا۔ یہاں تک کہ تحقیق کی رفتار بھی سست پڑ گئی۔لیکن اس کے بعد نئی تحریکیں اور کاوشیں شروع ہوئیں۔ان تحریکوں میں جنھوں نے تحقیق کے فروغ میں کردار ادا کیا علی گڑھ تحریک کے علاوہ وہ مذہبی تحریکیں بھی شامل ہیں جنھوں نے ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کی۔ان معرکہ آرائی میں تحقیق کے فریضے کا جانے انجانے میں انجام دیا گیا۔ایک دوسرے کے عقائد ونظریات پر نکتہ چینی میں متن اور ماخذ کی طرف رجوع کیا گیا۔اس میں وہابی تحریک، بریلوی تحریک، دیو بند، عیسائیت، آریہ سماج اور ہندوسناتن کے ماننے والوں نے بحث ومباحثہ کا دروا کرتے ہوئے علمی ومنطقی رویہ اختیار کیا اور پرکھ، دلائل اور شواہد سے کام لیتے ہوئے تحقیق کے میدان میں قدم رکھا۔مذہبی اختلافات کے نتیجے میں عمل وردعمل کے طور پر تحریریں سامنے آئیں۔اس عہد میں عیسائیت کی طرف سے اسلام پر حملے بھی تیز ہوئے اور قرآن وسنت پر اعتراضات کئے گئے جس کے نتیجے میں علما اور دانشوروں نے ان کا موثر جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں دیا۔اس محاذ پر کام کرنے والوں میں سرسید احمد خاں، وقار الملک، محسن الملک اور چراغ علی وغیرہ پیش پیش رہے۔ان زعما کی کاوشوں سے ہی دلائل کے لئے اصل ماخذ کی طرف رجوع کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔اسی رجحان کو اردو ادب میں جدید تحقیق کے آغاز کی بنیاد تسلیم کیا جاتا ہے۔

اس ضمن میں سرسید احمد کا نام سرفہرست ہے۔سرسید نے انگریزوں کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے اسلامی نقطہ نظر سے اپنی تحریروں میں تحقیق کا سہارا لیا اور تقابلی مطالعہ کیا۔سرسید احمد خاں نے اپنے پیش رووں غالب، شیفتہ، امام بخش صہبائی اور آزردہ سے استفادہ کرتے ہوئے علمی وفنی رموز کھولنے کی کوشش کی۔سرسید کی تحریریں' آئین اکبری' اور' تاریخ فیرز شاہی' کی تصحیح میں تحقیق کی موشگافیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔مذکورہ بالا کتابوں میں زبان واملا اور دوسری جو غلطیاں راہ پا گئی تھیں ان کی تصحیح ایک بڑا کام تھا۔یہی وجہ ہے کہ سرسید احمد خاں کے ہم عصر مولانا الطاف حسین حالی نے اس کاوش کی ستائش کرتے ہوئے لکھا کہ:

> ''آئین اکبری کے نسخے کاتبوں کے سہو وخطا سے مسخ ہو گئے تھے۔سرسید نے اول جہاں تک مل سکے اور اس کے متعدد نسخے بہم پہنچائے۔اس میں ایک آدھ نسخہ صحیح بھی مل گیا اور اس طرح غلط اور صحیح نسخوں کے باہمی مقابلہ کرنے سے ایک نسخہ سب سے زیادہ صحیح مل گیا جس میں مصنف نے کچھ خانے خالی چھوڑ دئے تھے اور تمام نسخوں میں وہ خانے خالی پائے گئے ان کو اور کتابوں سے تحقیق کر کے معمور کیا۔''

سرسید کی معروف کی کتاب' آثار الصنادید' ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی۔اس کی دوسری اشاعت ۱۹۵۴ء میں نئی ترتیب کے ساتھ ہوئی۔اس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرسید احمد خاں تحقیق کے جدید مبادیات سے واقف تھے۔اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن تحقیق کے نقطہ نظر سے زیادہ بہتر ہے۔اس میں ماخذ اور اشاریہ کا بھی اہتمام کیا گیا ہے اور معلومات کے ذرائع کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

سرسید احمد خاں کے معاصرین محسن الملک، چراغ علی اور مولانا الطاف حسین حالی نے بھی سرسید کی محققانہ کوششوں کو تسلیم کیا اور اس روایت کو جلا بخشی۔ چراغ علی نے''العلوم الجدید والاسلام' کے عنوان سے جو تحقیقی مقالہ لکھا وہ اردو تحقیق کے ذیل میں اہم کام ہے۔

اسی طرح محسن الملک، مولانا محمد حسین آزاد اور شبلی نعمانی وغیرہ نے تحقیق کا فریضہ انجام دیا۔خصوصاً شبلی نعمانی کی تحقیقی کاوشیں زیادہ وقیع اور اہم تسلیم کی جاتی ہیں۔شبلی نعمانی ایک مورخ بھی تھے۔انہوں نے الفاروق جیسی کتاب لکھی جس میں جا بجا تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔اس کے علاوہ المامون، علم الکلام اور شعر العجم ان کی معرکہ آرا تصانیف ہیں۔شبلی نعمانی کی تحقیقی بصیرت انہیں ایک ممتاز محقق بناتی ہے۔

محمد حسین آزاد فارسی اور عربی زبان پر دسترس رکھتے تھے۔سنسکرت، انگریزی اور لسانیات پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔انہوں نے

’آب حیات‘ کے نام سے جو کتاب تحریر کی جس میں شعرا کا تذکرہ بھی، اگر چہ اس میں انہوں نے تحقیق سے زیادہ انشا پردازی سے کام لیا ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں تحقیق کے نمونے بھی موجود ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں اردو زبان کی پیدائش سے متعلق اپنا نظریہ بھی پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں مولانا آزاد نے تقریباً پچاس سے زائد کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ ان کی کتابیں دربار اکبری اور سخن دان فارس بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

مولانا الطاف حسین حالی کی شخصیت کی کئی جہتیں ہیں۔ وہ شاعر بھی ہیں، نقاد بھی، سوانح نگار بھی اور محقق بھی۔ انہوں نے مرزا اسد اللہ خاں غالب کی سوانح لکھی جس میں تحقیق کا پہلو نمایاں ہے۔

مولوی ذکاء اللہ کے یہاں تحقیقی رویہ تاریخ کی صورت میں نظر آتا ہے۔ انہوں نے ہندوستان کی تاریخ کا ایک معتبر نسخہ پیش کیا۔ اس عہد میں علمی و تحقیقی سطح پر جو میلان اردو میں رواج پا رہا تھا اس سے تحقیق کی ایک مخصوص صورت سامنے آئی۔

انیسویں صدی کے ربع اول میں ادبی مطالعہ میں تحقیقی رویے پر زور نسبتاً کم ہے۔ تنقید کی طرف میلان زیادہ ہے۔ اس دور میں جو مطالعے سامنے آئے وہ نیم تحقیقی اور تنقیدی ہیں۔ یہ دور حالی اور شبلی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اس میں بابائے اردو مولوی عبدالحق جیسی قدر شخصیت بھی نظر آتی ہے۔ مولوی عبدالحق کا بڑا اور امتیازی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قدیم کلاسیکی تصانیف کے متن دریافت کئے۔ انہوں نے تذکروں کی بازیافت میں غیر معمولی دلچسپی لی اور متون ترتیب دے کر شائع کئے۔ ان میں ’چمنستان شعرا، از شفیق، ’مخزن نکات از قائم اور ’تذکرۂ ریختہ گویاں‘ (گلشن راز) از گردیزیش، ’مخزن شعرا‘ از فائق، ’تذکرہ ہندی‘ از مصحفی، ’عقد ثریا‘ از مصحفی، ’ریاض الفصحا از مصحفی، ’نکات الشعرا‘ از میر اور ’گل عجائب‘ از اسد علی خاں تمنا اس کے علاوہ مثنویات میں وجہی کی ’قطب مشتری‘ نصرتی کی ’گلشن عشق‘ اور میراثر کی ’خواب وخیال‘ (جن کی تدوین کی) اور دواوین کی ترتیب میں عبدالحئی تاباں کا دیوان انتخاب کلام میر اور دیوان اثر اہم ہیں۔

مولوی عبدالحق نے ملا وجہی کی مشہور تصنیف ’سب رس‘ اور ’قطب مشتری‘ اور ’معراج العاشقین‘ دریافت کی اور ان پر عالمانہ مقدمے لکھے۔ انہوں نے ان تصانیف کے نسخے دریافت کر کے اصل متن کو مرتب کیا اور ان نسخوں کے مرتبین کے متعلق ضروری معلومات فراہم کیں۔ بابائے اردو کے ان تبصروں اور مقدموں کی نوعیت تعارفی اور تنقیدی ہے۔ ان میں تحقیقی اور تقابلی مطالعے پر زور کم ہے۔

اردو میں ادبی تحقیق کی باضابطہ ابتدا حافظ محمود شیرانی (۱۹۴۶-۱۸۸۸) سے ہوتی ہے وہ پہلے محقق ہیں جنہوں نے تحقیق کے اصول پائیدار بنیادوں پر قائم کئے اور جدید مغربی اصولوں کو رواج دیا۔ انہوں نے حوالے درج کرنے پر ذمے داری سے کام لیا اور مختلف ماخذ اور ذرائع سے حاصل ہونیوالی معلومات پر جرح وتعدیل اور احتساب کی صحت مند روایت قائم کی۔ ساتھ ہی منطقی اصولوں پر مبنی استدلال اور مغالطوں سے گریز تحقیق کار کیلئے ضروری ٹھہرایا۔

محمود شیرانی بنیادی طور پر استخراجی محقق ہیں جس کے بہترین نمونے ’’تنقید شعر العجم‘‘ میں ملتے ہیں۔ اس کے مطالعے سے ان کی تاریخ ادب فارسی پر دسترس، علمی بصیرت اور زبان کے ارتقا پر گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے شعر العجم کا جائزہ تحقیقی وتنقیدی تناظر میں لیا ہے اور شبلی کے جذباتی رویے کی نشاندہی کی ہے۔

محمود شیرانی ایک کامل محقق ہیں۔ ان کے یہاں محض واقعات کی دریافت اور توضیح پر اکتفا نہیں بلکہ ان کی تحقیق کا ادبی اور تاریخی مسائل کو سلجھانا بھی ہے۔ ’تنقید شعر العجم‘ کے علاہو’ پرتھوی راج راسا‘ تنقید آب حیات اور پنجاب میں اردو شیرانی کی اہم ترین تحقیقی کتابیں ہیں۔

شیرانی نے تحقیق متن کو بھی دریافت کیا ہے۔ اس ضمن میں امیر خسرو کو دو کتابوں سے بے دخل کرنا ان کا بڑا کارنامہ ہے۔ ’قصہ چہار درویش‘ اور ’خالق باری‘ کو امیر خسرو کی تصنیف قرار دیا جاتا تھا۔ ’خالق باری‘ کی تدوین کے ضمن میں شیرانی نے متنی تحقیق وتاریخ کا کام نہایت شاندار انداز میں کیا۔ شیرانی وہ پہلے محقق ہیں جنہوں نے مضبوط شواہد کی بنا پر خالق باری کو امیر خسرو کی تالیف ہونے کے عمومی عقیدے پر تشکیک کی نگاہ ڈالی اور مختلف دلائل سے ثابت کیا کہ یہ تصنیف امیر خسرو کی نہیں بلکہ عہد جہانگیر کے ایک شاعر خسرو کی ہے۔

'قصہ چہار درویش' کے سلسلے میں شیرانی نے رسالہ 'کارواں' (۱۹۳۳) میں مضمون لکھ کر ثابت کر دیا کہ یہ قصہ خسرو سے بہت بعد کا ہے۔ مزید براں انہوں نے قدرت اللہ قاسم کے ضخیم تذکرے 'نغز' کو بحسن وخوبی ترتیب دیا اور عالمانہ مقدمے کے ساتھ شائع کیا۔

شیرانی کی مشہور کتاب 'پنجاب میں اردو' حقیقتاً اردو لسانیات کے موضوع پر پہلی معیاری تحقیقی کتاب ہے اور اس میں تحقیق کا ایسا اونچا معیار قائم کیا گیا ہے جو کسی بھی ترقی یافتہ زبان اور ادب کے لیے قابل فخر سمجھا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر محی الدین قادری زور (۱۹۵۵۔۱۸۶۲) نے ترتیب متن اور مخطوطات شناسی کے فن کو خاص رواج دیا اور قلمی کتابوں کی فہرست سازی سے زیادہ مخطوطات کی توضیحات پر توجہ دی۔ مخطوطات شناسی ایک مشکل اور دقت طلب فن ہے۔ ترقیمے پڑھنا، داخلی اور خارجی شواہد سے نتائج اخذ کرنا اور حوالوں سے تصنیف اور صاحب تصنیف کے نام اور عہد کی بازیافت ایسا عمل ہے جس میں محققانہ ذہن کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ زور نے مغربی ادب وتنقید اور اصول تحقیق سے استفادہ کیا ہے۔ اور اردو میں قدیم مخطوطات کی ترتیب وتدوین اور ادبا وشعرا کے حالات کی بازیافت میں ان اصولوں کو برتا ہے۔ ڈاکٹر زور کی کتابوں میں اردو شہ پارے (۱۹۲۸) اور کلیات قلی قطب شاہ کی ترتیب بڑی اہم ہیں۔ اسالیب بیان، سید محمد مومن کی سوانح حیات (۱۹۴۱) تذکرہ اردو مخطوطات اور ہندوستانی لسانیات بھی اہم ہیں۔ ڈاکٹر زور نے صرف قلمی کتابوں کی فہرست سازی نہیں کی بلکہ توضیحات وتشریحات کے ذریعہ مخطوطات کی مناسبت سے دستیاب مواد اور متن کو جانچا اور پرکھا بھی ہے۔ زور نے اردو، عربی، فارسی، ہندی اور سنسکرت کے ایک ہزار یک سو پانچ مخطوطات کی توضیحات پیش کی ہیں۔ انہیں خصوصیت کے ساتھ دکنیات کی تحقیق وتدوین اور اشاعت میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

نصیرالدین ہاشمی (۱۹۲۴۔۱۹۶۵) دکنی ادبیات سے تاریخ ادب اردو کو جن محققین نے روشناس کرایا ان میں نصیرالدین ہاشمی کا نام بھی اہم ہے۔ انہوں نے پوری زندگی دکنیات کی ادبی تاریخ اور دکنی مخطوطات کی دریافت میں گزاری۔ سابقہ دریافتوں پر نئی تحقیقات کو فوقیت دیتے اور خود اپنے اخذ کردہ نتائج کو بھی جدید معلومات کی روشنی میں مسترد کر دیتے ہیں۔ 'دکن میں اردو' کے سلسلے میں ہاشمی کا یہ رویہ رہا ہے کہ ہر ایڈیشن میں نئی تحقیقات اور نئی معلومات کی بنا پر تبدیلیاں کرتے رہے۔ اس سے نئی دریافتوں سے ان کے شغف کا پتہ چلتا ہے۔

ہاشمی نے دکنی مرثیوں اور مثنویوں کے متعلق اہم معلومات یکجا کی ہیں۔ سلاطین دکن کی ہندوستانی شاعری) (۱۹۳۲) حضرت امجد کی شاعری (۱۹۲۴) مدراس میں اردو (۱۹۳۸) اور دکنی قدیم اردو کے علاوہ قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرستیں ہاشمی کے اہم کام ہیں۔

مسعود حسن رضوی ادیب (۱۹۷۹۔۱۸۹۲) تحقیق کے اس روایت کے علمبردار ہیں۔ جو محمود شیرانی نے قائم کی اور قاضی عبدالودود نے جسے آگے بڑھایا۔ قاضی صاحب کی طرح مسعود حسن رضوی کا طریقہ کار سائنٹفک اصولوں پر مبنی ہے۔ وہ اپنے تحقیقی مطالعوں میں خارجی شہادتوں کے علاوہ داخلی شواہد کی بنیاد پر معنی خیز نتائج اخذ کرتے ہیں۔ یہ عمل بڑا کٹھن اور صبر وتحمل کے ساتھ عرق ریزی کا متقاضی بھی ہے۔ اس مطالعے کی وسعت، تنقیدی صلاحیت اور ژرف نگاہی شرط ہے۔ مسعود حسن کا تحقیقی رویہ معتدل اور متوازن ہے۔ وہ دستیاب ماخذ اور مواد سے استفادہ دلائل اور سائنٹفک طریقے کے التزام کے ساتھ کرتے ہیں۔ رضوی کی تصانیف و تالیفات کی فہرست طویل ہے۔ انہوں نے فائز دہلوی کا دیوان ایڈٹ کیا۔ فیض اور مجالس رنگیں کو سلیقے کے ساتھ پیش کیا۔ اودھ کا شاہی اسٹیج، اودھ کا عوامی اسٹیج جیسی بلند پایہ تحقیقی کتابیں لکھیں اور اردو ڈرامے کے سلسلے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کیا۔ انیس کے کلام کے متن کی تصحیح بھی ان کا بڑا کام ہے۔ 'متفرقات غالب' بھی ان کی ایک اہم تصنیف ہے۔ جس سے غالب کے قیام کلکتہ وہاں کے لوگوں سے ان کے تعلقات اور ان کے یہاں بعض اوقات عقیدت مندی کے پرتو جھلک جاتے ہیں۔

اردو تحقیق میں قاضی عبدالودود سب سے زیادہ محتاط محقق تسلیم کئے جاتے ہیں اور ان کے کاموں کو 'خالص تحقیق' کے زمرے میں رکھا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اردو تحقیق میں احتیاط پسندی اور مضبوط دلیلوں اور دعووں کی بنیاد پر نتیجہ اخذ کرنے کی روش قاضی صاحب نے قائم کی۔ غیر معتبر حوالوں اور متون سے بچنا اور انتہائی حزم واحتیاط قاضی صاحب کی تحقیق کا وصف خاص ہے۔ ان اوصاف کی بنا پر

گیان چند جین انہیں بت شکن محقق اور رشید حسن خاں ’معلم ثانی‘ کہتے ہیں۔

ہر چند کہ قاضی عبدالودود کا بیشتر تحقیقی کام آزادی کے بعد وجود میں آیا۔ لیکن اپنے ابتدائی کاموں سے ہی وہ اردو تحقیق میں اعتبار حاصل کر چکے تھے۔ رسالہ معاصر، نوائے ادب اور معیار وغیرہ میں ان کے متعدد تحقیقی مضامین شائع ہوئے۔ یہ درست ہے کہ تحقیقی مبادیات پر کوئی مستقل کتاب انہوں نے نہیں لکھی۔ لیکن ان کے مضامین تحقیق کے رہنما اصول کا درجہ رکھتے ہیں۔ معاصر (پٹنہ) کے مئی ۱۹۴۱ء میں ’مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق‘ کے عنوان سے قاضی صاحب کا جو مضمون شائع ہوا وہ بلا مبالغہ تحقیق کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہے۔ بعدازاں ایک طویل اور قسط وار تحقیقی مقالہ بہ عنوان ’’شاہ کمال علی دیوروی عظیم آبادی‘‘ شائع ہوا جو کئی شماروں پر محیط ہے۔ اور اپنی تاریخی اور تحقیقی حیثیت کے اعتبار سے بڑا اہم ہے۔ اردو کا پہلا واسوخت میں مختلف دلائل وشواہد کی بنا پر محمد حسین آزاد کے اس دعوے کو غلط قرار دیا جس کی رو سے اردو کا پہلا واسوخت میر تقی میر سے منسوب ہے۔

قاضی عبدالودود نے چار کتابیں ترتیب دیں ان میں تذکرہ شعرا مصنفہ ابن طوفان، دیوان جوشش، قاطع برہانو رسائل متعلقہ اور شہر آشوب قلق شامل ہیں۔ ان کے مضامین پر مشتمل دو مجموعے عیارستان اور اشتر وسوزن بھی ان کے تحقیقی کارنامے ہیں۔

امتیاز علی عرشی ماہر غالبیات کی حیثیت سے اردو تحقیق کی دنیا میں معروف ہیں۔ ان کے کاموں میں ’مکاتیب غالب، ترتیب متن کی عمدہ مثال ہے۔ جس میں غالب کے خطوط کو سائنٹفک انداز میں پوری احتیاط کے ساتھ مرتب کیا گیا۔ یہ خطوط رام پور کے نواب اور ان کے احباب کو لکھے گئے۔ اس پر عرشی نے مبسوط اور عالمانہ مقدمہ لکھا ہے۔ غالب نے اردو اور فارسی کلام کا انتخاب خود کر کے اسے نواب رام پور کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ عرشی نے اس کے متون دریافت کئے۔ ۱۹۴۲ء میں شائع کرایا۔ جسے غالبیات کے ذیل میں حوالہ جاتی کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ واحد علی یکتا کی ’’دستور الفصاحت‘‘ اور شاہ عالم آفتاب کا کلام ’’نادرات شاہی‘‘ کی ترتیب وتدوین کی۔ تحقیق متن ایک محقق کی حیثیت سے ان کا نمایاں مقام ہے۔ ان کی مرتب کردہ فرہنگ غالب کا بھی یہاں حوالہ دینا ضروری ہے جو غالب کے اشعار کی تفہیم میں خاصے کی چیز ہے۔

پروفیسر عبدالقادر سروری کا تعلق دکن سے ہے۔ ان کے یہاں ادبی تاریخ کا مطالعہ تہذیبی پس منظر میں ملتا ہے۔ وہ زبان وادب کا مطالعہ قدیم ہندوستانی تہذیب وثقافتی تناظر میں کرتے ہیں۔ سروری کی تحقیق میں جس رویے کو دخل ہے وہ ادب کے بنیادی اور ارتقائی مرحلے کے مطالعے سے تعلق رکھتا ہے۔ اپنی معروف کتاب ’جدید شاعری‘ میں انہوں نے ان نکتوں کی تلاش وجستجو کی ہے۔ جہاں سے جدید شاعری کے سوت پھوٹتے ہیں۔ ان کا تحقیقی رویہ ارتقا اور عروج کی جانب بڑھنے کا عمل ہے۔ انہوں نے بیانیہ، غنائی، ڈرامئی، اخلاقی، ہجویہ، مدحیہ وغیرہ اقسام شاعری کا ذکر کر کے اپنی تحقیق میں واضح نتائج اخذ کئے ہیں۔

ان کا ایک اہم کام ابن نشاطی کی مثنوی ’’پھول بن‘ کا ترتیب کردہ متن ہے۔ ان کے علاوہ ’کلیات سراج‘ ۱۹۴۰ء اور شاہ صدر الدین کی ’مراۃ الاسرار‘ ۱۹۴۴ء کی تدوین واشاعت بھی تحقیقی نقطہ نظر سے ان کے اہم کام ہیں۔

پروفیسر حامد حسن قادری اردو زبان وادب کے مورخ کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ان کی کتاب ’داستان تاریخ اردو‘ نثر کی معتبر اور جامع تاریخ ہے۔ جس میں قادری نے تحقیقی رویے کا جا بجا ثبوت دیا ہے۔

اردو محققین میں پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی کا نام بھی آتا ہے۔ ان کے یہاں تنقیدی شعور بھی ہے اور تحقیقی بصیرت بھی۔ انہوں نے لسانیات پر بھی کام کیا ہے۔ کیفی کے دو تصنیفی کارنامے ’منشورات‘ اور ’کیفیہ‘ اہل علم کی توجہ اور داد کے مستحق ہیں۔ جو علی الترتیب ۱۹۳۴ء اور ۱۹۴۲ء میں پہلی بار لاہور اور دہلی انجمن ترقی اردو سے شائع ہوئے۔ کیفیہ اردو زبان کی مختصر تاریخ اور اس کی انشا اور املا وغیرہ سے متعلق مباحث پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب مصنف کے سالہا سال کے تحقیقی مطالعے کا نتیجہ ہے

ماہر غالبیات شیخ اکرام اپنی تحقیقی وتنقیدی کتاب ’غالب نامہ‘ کی وجہ سے مشہور رہیں۔ جس میں انہوں نے غالب کی زندگی کے مدوجزر اور ان کے ذہن پر پڑنے والے اثرات کا نہایت مفصل جائزہ لیا ہے۔ پھر مختلف شعرا کے اثرات جو ان کے ذہن اور فن پر مرتب

ہوئے ان کی وضاحت کی ہے نیز درباری اثرات کی اہمیت کو نمایاں کیا ہے۔انہوں نے اس پس منظر میں غالب کی شاعری کے مطالعے کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔شیخ صاحب کی ایک دوسری تصنیف 'شبلی نامہ' بھی اہم ہے۔یہ اور بات ہے کہ اسے 'غالب نامہ' جیسی مقبولیت حاصل نہیں ہوسکی۔شیخ صاحب نے مسلمانان ہند کی مذہبی اور علمی تاریخ بھی تین جلدوں میں مرتب کی ہے۔ 'آب کوثر' اور 'موج کوثر' ان تصانیف میں مسلمانان ہند کی مذہبی اور علمی تاریخ کے دور جدید کا احاطہ کیا گیا ہے۔اور اس ذیل میں انیسویں صدی کے آغاز سے لے کر تقسیم ہند تک اہم مذہبی، فکری اور قومی تحریکوں اور رہنماؤں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

سید محمد کی شہرت 'ارباب نثر اردو' کے مصنف کی حیثیت سے ہے۔اس میں فورٹ ولیم کالج کے مصنّفین کا پہلی بار تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے ترتیب متن کے ذیل میں خواجہ خاں حمید اورنگ آبادی کا تذکرہ گلشن گفتار (۱۹۳۹) فضلی، 'دیوان عبداللہ قطب شاہ' (۱۹۳۹) محمد علی عاجز کی مثنوی 'ملکہ مصر' اور مثنویات میر قابل قدر کارنامے ہیں۔

نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن خان شیروانی اردو کے ممتاز محققین میں ہیں۔انہوں نے قدیم کتابوں کے نسخے جمع کرنے میں غیر معمولی دلچسپی لی اور زندگی بھر اس میں لگے رہے، کتب خانہ حبیب گنج اس کی بین مثال ہے ان کے تحقیق وتنقیدی مضامین اور تبصرے جو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ 'زمانہ' اور 'معارف' وغیرہ میں شائع ہوتے رہے۔کتابی صورت میں منظر عام پر آچکے ہیں۔انہوں نے میر حسن کے ''تذکرہ شعرائے اردو'' اور ''دیوان درد'' پر مقدمے لکھے اور ان کی سلیقے سے ترتیب اور تدوین کی۔

شیخ چاند اردو کے جدید محققین میں ایک معتبر نام ہے ان کی تحقیقی کتاب 'سودا' اردو تحقیق میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے پہلی بار سودا، ان کے عہد اور ان کے کلام کے بارے میں پوری تحقیق اور صحت کے ساتھ مواد فراہم کیا۔سودا کے کلیات میں الحاقی کلام کی نشاندہی کی اور سودا کے کلام کا تنقیدی جائزہ لیا۔اس کی اہمیت واضح کی۔شیخ صاحب نے مولوی عبدالحق کے ساتھ گارساں دتاسی کے حواشی بھی لکھے۔

آزادی سے قبل جو ادبی تاریخیں وجود میں آئیں ان میں رام بابو سکسینہ کی 'تاریخ ادب اردو' سرفہرست ہے اس کے بعد جو ادبی تاریخیں لکھی گئیں ان میں حکیم عبدالحئی کی 'گل رعنا'، عبدالسلام ندوی کی دو جلدوں پر مشتمل 'شعر الہند' (۱۹۳۸) احسن مارہروی کی 'تاریخ نثر اردو' محمد یحییٰ تنہا کی 'سیر المصنّفین' جو دو جلدوں میں ہے اور حامد حسن قادری کی 'داستان تاریخ اردو' قابل ذکر ہیں۔

انیسویں صدی کے نصف اول میں تحقیق کی تین جہتیں نظر آتی ہیں۔تحقیق مذہب، تحقیق تاری اور تدوین متن۔اردو تحقیق بہ تدریج آگے بڑھ رہی ہے۔اس میں بعد میں نئی جہتوں سے اضافے ہوئے تقابلی لسانیات کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کی گئی ہے۔ترتیب متن، مخطوطات کی صحیح قرأت اور غیر مطبوعہ متون کی بازیافت کے ضمن میں قابل قدر کام ہوئے۔اس دور میں چند جید محققین سامنے آئے جن کی کاوشوں کی بہ دولت اردو تحقیق کے رہنما نقوش ابھرے۔آزادی سے قبل کی ربع صدی اس لحاظ سے اردو تحقیق کی تاریخ میں خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ڈاکٹر گیان چند جین اسے بہ جا طور پر اردو تحقیق کے ارتقا میں ایک زریں دور سے تعبیر کرتے ہیں۔

ڈاکٹر توقیر عالم

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، مولانا مظہر الحق عربی وفارسی یونیورسٹی، پٹنہ